اسلامی علوم کے ہندی مصادر

جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

(۳)

محمد بن ابراہیم الفزاری، موجود قبل ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء عباسی دور کا مشہور فاضل اور ماہر فلکیات ہے۔ مسلمانوں میں یہ پہلا شخص ہے جس نے علمِ نجوم کی طرف توجہ دی۔ اس نے منصور کے حکم سے برہم گپت کی سدھانت کا عربی میں ترجمہ کیا تھا جو "السند ہند الصغیر" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اس عہد سے لے کر خلیفہ مامون رشید کے زمانے تک عربوں کا معمول بہ تھی[1]۔

یعقوب بن طارق ۱۵۴ - ۱۶۱ھ افاضلِ منجمین میں تھا۔ اس علم پر اس کی متعدد تصانیف ہیں۔ زیرِ نظر موضوع پر اس کی کتاب "کتاب الزیج محلول فی السندھند لدرجۃ درجۃ" قابلِ ذکر ہے۔ یہ دو کتابیں ہیں، پہلی علمِ فلک میں اور دوسری علمِ کِردل میں[2]۔ بیرونی نے اس کی زیج کے بارے میں لکھا ہے[3]:

"وفی زیج الفزاری و یعقوب بن طارق تلک الادوار مستفادة عن الرجل الھندی الذی کان فی جملة وفد السند علی المنصور فی سنة اربع وخمسین ومائة للھجرة واذا قسنا بینھا و بین ما علیہ الھند، وجدنا بینھا خلافات لست اعرف سببھا أھو من نقل الرجلین؟ أم ھو من املاء الھندی أم ھو

---

[1] تاریخ الحکماء (ص ۲۷۰)۔ [2] ایضاً (ص ۳۷۰)۔ ابن ندیم: الفہرست (ص ۴۰۲)۔ [3] تحقیق ما للہند (ص ۲۰۸)

من تصحیح برہمگوبت او غیرہ لہا"

(فزاری اور یعقوب بن طارق کی زیچ میں یہ ادوار اس ہندی شخص سے مستفاد ہیں جو سندھ کے وفد کے ساتھ منصور کے پاس آیا تھا۔ ہم نے جب ان کی زیچوں اور مذہب ہند کے درمیان موازنہ کیا تو ان کے درمیان بہت سے اختلافات پائے جس کا سبب میں نہیں سمجھ سکا، آیا یہ اختلاف ان دونوں کی نقل کی بنا پر ہے یا ہندی شخص کے املاکی وجہ سے، یا اس کا سبب خود برہم گپت یا اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصحیح ہے)

اس کی ایک دوسری کتاب "ترکیب الافلاک" بھی ہے جس کی نشاندہی میرے علم کی حد تک صرف بیرونی نے کی ہے۔ وہ لکھتا ہے[1]:

"ستاروں کے فاصلوں کے متعلق ہم کو ان کی صرف وہی روائتیں ملی ہیں، جن کو یعقوب بن طارق نے اپنی کتاب "ترکیب الافلاک" میں بیان کیا ہے۔ یعقوب کو یہ روائتیں ۱۶۱ھ میں ایک ہندی منجم سے ملی تھیں۔ اور اس نے پیمائش کے لئے اصولاً یہ حساب معین کیا کہ ایک انگل چھ عدد کے برابر ہوتا ہے جو اپنے عرض میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ایک صف میں رکھے جائیں۔ اور ایک ذراع بقدر چوبیس انگل کے اور ایک فرسخ بقدر سولہ ہزار ذراع کے ہوتا ہے۔ لیکن ہندو فرسخ کو نہیں جانتے اس لئے یہ مقدار (۱۶۰۰۰ ذراع) جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں نصف جوژن ہے۔"

احمد بن عبد اللہ حبش البغدادی | ہیئت و نجوم کے مشاہیر میں ہے۔ خلیفہ مامون رشید اور معتصم کا ہمعصر تھا۔ اس کی تین زیچیں ہیں۔ ان میں سے پہلی سدھانند کے طریقے پر جس میں اس نے الفزاری اور الخوارزمی کے خلاف اعمال فلکیہ میں حکیم "تاون" (THEEN) اسکندرانی کے طریقے پر فلک البروج کی حرکت اقبال و ادبار کو استعمال کیا ہے۔ تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ستاروں کے مواضع طول کو درست کر سکے یہ زیچ اس نے پہلی مرتبہ اس زمانے میں تیار کی جب وہ طریقۂ سدھانند کا پیرو تھا۔

---

[1] تحقیق ماللہند (ص ۲۳۳)۔ [2] تاریخ الحکماء (ص ۱۷۰)

محمد بن موسیٰ الخوارزمی | مامون کے عہد کا بہت بڑا نجومی تھا۔ اس نے ہند، ایران اور روم تینوں کے علم نجوم سے ترکیبی طور پر فائدہ اٹھایا اور بڑا نام پیدا کیا۔ سدھانتد کا ایک خلاصہ لکھی اس نے عربی زبان میں تیار کیا تھا جو "السند ہند الصغیر" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں اس نے سدھانت کے اوساط کو اکب پر دارومدار رکھا ہے، مگر مسئلہ تعادیل اور میل شمس ہیں، تعادیل کو مذہب فارس کے مطابق اور میل شمس کو بطلیموس کے مذہب پر لکھا ہے اور بطور مقدمہ اس میں چند عمل ابواب کا اضافہ کیا ہے، جو ان اغلاط سے پاک ہیں جو علم ہندسہ میں اس کی کمزوری اور ہیئت میں بعید از قیاس ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قفطی[۱] کا بیان ہے کہ اس زمانے کے طریقہ سدھانتد کے پیروؤں نے اس کتاب کو بے حد پسند کیا اور اس کو ہر طرف مشہور کر دیا حتیٰ کہ ہمارے زمانے تک مسئلہ تعدیل کی طرف متوجہ ہونے والے، اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق السرخسی | مامون کے زمانے کا مشہور ماہر نجوم اور سائنس داں تھا بیرونی نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ الفزاری اور یعقوب بن طارق کے دوروں کے بیان پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے[۲]

"کسی باخبر شخص کو ستاروں کے حساب میں جب خلل نظر آئے گا تو ضرور وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اور محمد بن اسحاق سرخسی کی طرح اس کی تصحیح کی کوشش کرے گا۔ اس شخص نے زحل کے حساب میں تخلف پایا اور اس پر غور کرتا رہا۔ چنانچہ اس کو یقین ہوگیا کہ یہ تخلف تعدیل کی جانب سے پیدا نہیں ہوا ہے لہٰذا وہ اس کے دوروں پر ایک ایک دورہ بڑھاتا رہا اور استقرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حساب اس کے مشاہدے کے موافق ہوگیا۔ اور اس نے اپنی زیچ میں اس کو اسی طرح درج کیا۔

ابن الادمی حسین بن حمید | زیچ کبیر کا مصنف ہے۔ جس کی تکمیل اس کی وفات کے بعد، اس کے شاگرد، قاسم بن محمد بن ہشام۔ ہاشمی المدائنی معروف بہ علوی نے کی اور اس کا نام "نظم العقد" رکھا۔ نیز ۳۰۸ ہجری میں اس کی اشاعت کی۔ تعدیل کو اکب کے فن میں یہ ایک جامع کتاب ہے۔ جو مذہب سدھانتد کے مطابق

۱؎ تاریخ الحکماء (ص ۲۷۰) ۲؎ تحقیق ما للہند (۲۰۸)

ہیئت وحساب اور نجوم کے مسائل پر مشتمل ہے۔[۱]

سدھانت کے بغداد پہونچنے کی روایت جو اوپر بیان کی گئی، اس کا سب سے پہلا راوی یہی حسن بن حمید ہے۔

حسن بن صباح | اس کی ایک زیج ہے جس میں اس نے مذہب سدھانت کے مطابق تعدیلاتِ کواکب کو بطلیموس کے اصول پر اور میل شمس کو اپنے زمانے کے مروجہ طریقے کے مطابق درج کیا ہے[۲]

محمد بن اسماعیل تنوخی | ایک بلند پایہ نجومی تھا۔ قفطی نے اس کے ذکر میں لکھا ہے[۳] کہ یہ ہندوستان گیا تھا اور وہاں سے علم نجوم کے عجیب وغریب مسائل لے کر آیا۔ منجملہ ان کے ایک مسئلہ حرکتِ اقبال وادبار کا بھی ہے۔

عبد اللہ بن اماجور | ابو القاسم الہروی، اپنے زمانہ کا مشہور فاضل تھا۔ اس کی چار زیجیں ہیں: کتاب الزیج المعروف بالخالص، کتاب الزیج المعروف بالمزنرہ، کتاب الزیج البدیع، کتاب زیج السندھند[۴]۔

مسلمہ بن احمد، متوفی ۳۹۸ھ | ابو القاسم المعروف بالمرجیطی، اندلس کا رہنے والا تھا۔ قفطی اس کے تذکرے میں لکھتا ہے

"کان امام الریاضیین بالاندلس واعلم من کان قبلہ بعلم الافلاک و حرکات النجوم"

"اندلس میں ریاضیین کا امام مانا جاتا تھا اور علم افلاک وحرکات نجوم میں قبل کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھا۔"

اس کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی زیج (السندھند الصغیر) میں تاریخ کا حساب فارسی میں تھا جس میں عربوں کو دقت پیش آتی تھی۔ اس نے عربی میں منتقل کیا اور اول تاریخ ہجری سے اس کا حساب درست کیا نیز چند مفید جدولوں کا اس میں اضافہ کیا[۵]۔

لسانیات وادب

نحو | دیگر علوم کی طرح نحو کے آثار بھی ہندوستان میں قدیم زمانے سے ملتے ہیں جب کہ عربی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں

---

[۱] طبقات الامم (ص ۹۹)، تاریخ الحکماء (ص ۲۸۲)، [۲] طبقات الامم (ص ۷۰)، [۳] طبقات الامم (ص ۹۹) تاریخ الحکماء ص ۲۸۱)، [۴] تاریخ الحکماء (ص ۲۲۰)، [۵] تاریخ الحکماء (ص ۳۲۶)

یہ علم بہت بعد میں آیا ہے۔ اس کی ابتدا کے بارے میں بیرونی نے ایک بڑی دلچسپ روایت نقل کی ہے جو عرب میں بالکل ابوالاسود والی روایت سے ملتی جلتی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"لوگوں کا بیان ہے کہ ایک دن ایک ہندی راجہ اپنی عورتوں کے ساتھ ایک حوض میں کھڑا ہوا تھا اس نے اپنی کسی عورت سے کہا: "مادو کندھی" جس کے معنی ہیں میرے اوپر پانی مت ڈالو، اس نے سمجھا کہ یہ "مود کندھی" کہہ رہا ہے جس کے معنی ہیں" میرا ڈول اٹھا لاؤ" چنانچہ وہ گئی اور ڈول اٹھا کر لے آئی۔ راجہ نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، عورت نے سختی کے ساتھ اس کا جواب دیا، راجہ کو اس سے سخت اذیت پہونچی اور بادشاہوں کی عادت کے مطابق کھانا پینا چھوڑ دیا اور ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ایک پنڈت اس کے پاس آیا اور یہ کہہ کر اس کو تسلی دی کہ وہ جلد ہی زبان کے کچھ قواعد مرتب کرے گا۔ چنانچہ یہ پنڈت مہادیو کے پاس گیا، مہادیو ظاہر ہوا اور اس کو زبان کے کچھ اصول و قواعد کی تعلیم دی اور مزید کے لئے وعدہ کیا، اب یہ پنڈت بادشاہ کے پاس پلٹ کر آیا اور وہ قاعدے اس کو بتائے۔"[1]

عصر حاضر کے مشہور محقق احمد امین مصری بھی اپنی کتاب ضحی الاسلام میں اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

"مجھے ڈر ہے کہ ابوالاسود والی روایت کہیں اسی روایت کے انداز پر تو وضع نہیں کی گئی ہے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عربی تاریخوں میں جو روایت ملتی ہے وہ متعدد طریقوں اور متعدد اشکال کے ساتھ مروی ہے کسی روایت میں تو یہ ہے کہ علی بن ابی طالب وہ ہیں جنھوں نے ابوالاسود کو وضع نحو کے لئے اشارہ کیا، کسی روایت میں عمر بن خطاب کا نام ہے۔ بعض میں زیاد بن ابیہ کا، پھر ایک روایت میں وضع نحو کا سبب یہ وارد ہوا ہے کہ کسی شخص نے آیت کو اس طرح پڑھا تھا "لا یاکلہ الا الخاطئین" دوسری روایت میں ہے کہ ایک قاری نے آیت اس طرح پڑھی تھی: انا اللّٰہ بری من المشرکین ورسولہ" پھر ایک روایت ہے کہ ابوالاسود دوئلی کی بیٹی نے ایک جملہ کہا تھا" ما

---

[1] تحقیق ماللہند (ص ۶۵)، [2] ضحی الاسلام (۱/ ۲۴۵)

احسن السماء " اس سے اس کا مقصد اظہار تعجب تھا لیکن نحوی اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں : آسمان میں سب سے خوبصورت چیز کون سی ہے ؛ چنانچہ ابوالاسود نے اس کا جواب دیا " نجومہا " یعنی اس کے ستارے ۔ یہ جواب سن کر اس کی بیٹی نے کہا : ابا جان ! میں نے آپ کو خبر دی تھی یعنی آسمان کتنا اچھا معلوم ہو رہا ہے ، کوئی سوال نہیں کیا تھا ۔ ابوالاسود نے جواب دیا ، تو پھر تم کو اس طرح کہنا چاہیے تھا " ما احسن السماء " یہ مختلف روایتیں اصل قصے میں یقیناً شک پیدا کرتی ہیں ۔ اس کے علاوہ ہند و عالم کا مہادیو کے پاس جانا بالکل اسی طرح ہے جیسے ابوالاسود کا حضرت علی کے پاس جانا ۔ اور آپ سے وضع نحو میں طالب امداد ہونا "

مجھے تعجب ہے کہ فاضل مولف ہندی کی اس روایت کو دیکھ کر کیوں اتنا متاثر ہو گئے کہ اپنے یہاں کی ایک مستند روایت میں ان کو شک پیدا ہو گیا ۔ موصوف نے شاید اس طرف غور نہیں فرمایا کہ نحو کی تدوین کی طرف پہلی مرتبہ اگر ذہن متوجہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسی قسم کے واقعات ہو سکتے ہیں یعنی یہ کہ لوگ روزمرہ کی بول چال میں غلطی کریں اور اس سے افہام و تفہیم میں دقت پیش آئے ۔ اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ ایک عربی کیا ، دنیا کی کسی بھی قدیم زبان میں نحو کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے گا تو اس کی ابتدا کے بارے میں اسی قسم کی روایت ملے گی ۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی مخصوص زبان میں قواعد زبان کا علم آسمان سے نازل ہوا ہو ۔ رہا یہ کہنا کہ ابوالاسود والی روایت اسی روایت کے انداز پر وضع کی گئی ۔ تو اس کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ عربوں کو ہندی کی اس روایت کا علم سب سے پہلے بیرونی کی کتاب " تحقیق ماللہند " کے ذریعہ سے ہوا ہے ۔ اس سے پہلے تک عرب نہ ہندوستان سے اتنا زیادہ قریب تھے نہ ان کو یہ روایت معلوم تھی ۔ اس کے برخلاف ابوالاسود والی روایت بیرونی کے بہت قبل کے مآخذ میں ملتی ہے ان میں سب سے متاخر ابن ندیم ہے ۔ اس کا زمانہ بھی بیرونی سے قبل کا ہے ۔ اس لئے یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ عربوں نے اس روایت کو سامنے رکھ کر ابوالاسود والی روایت وضع کی ہے ۔ رہا روایت کا مختلف طریقوں سے وارد ہونا تو یہ بھی کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے جو حل نہ ہو سکے اور خواہ مخواہ میں روایت میں شک کیا جائے ۔ میرے خیال میں اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا

کہ یہ اختلاف روایت ہی نہیں ہے بلکہ الگ الگ روایات ہیں - ان میں حضرت علی کے علاوہ جو دو نام اور لئے گئے ہیں، یعنی حضرت عمر اور زیاد بن ابیہ، تو کیا ان کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ان حضرات کو بھی اس طرف توجہ ہوئی ہو اور حضرت علی کے ساتھ انھوں نے بھی ابو الاسود کو اس کام کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہو۔ تیسری بات جو موصوف نے کہی وہ یہ ہے کہ ایک روایت میں کسی شخص کا آیت کو غلط پڑھنا، کسی میں ابو الاسود کی بیٹی کا غلط جملہ کہنا وارد ہے تو کیا ان دونوں واقعات کا پیش آنا کچھ عقلاً محال ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ نحو کی تدوین سے پہلے معلوم نہیں روزانہ لوگ کتنی غلطیاں کرتے ہوں گے، تاریخ نے تو صرف دو چار ہی مثالوں کو لیا ہے۔ بہر حال ان تمام روایات میں جو قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی نے ابو الاسود دوئلی کو نحو کے کچھ اصول کی تعلیم دی تھی۔

نحو کے علاوہ عروض سے بھی اہلِ ہند کو کافی دلچسپی تھی۔ بیرونی نے اپنی کتاب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے:

"و من الممکن ان یکون الخلیل بن احمد سمع ان للھند موازین فی الاشعار[1] کما ظن بہ بعض الناس۔"

"ممکن ہے کہ خلیل بن احمد نے یہ بات سنی ہو کہ ہندی میں اشعار کے کچھ اوزان مقرر ہیں جیسا کہ کچھ لوگوں کا گمان ہے۔"

عروض کے بارے میں خلیل کا ہنود سے استفادہ صحیح ہو یا غلط لیکن اتنا یقینی ہے کہ اس نے سنسکرت کے لسانیاتی علوم سے ضرور فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی تصنیف "کتاب العین" میں لغات کو ان کے مخرج کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، بایں معنی کہ اس میں ابتدا ان حروف سے کی ہے جو حلق سے نکلتے ہیں، اس کے بعد وہ حروف جن کا مخرج زبان ہے اور پھر دانت، پھر ہونٹ۔ اس نظریہ کے تحت "عین" سے اس نے ابتدا کی ہے جو حروفِ حلقی میں شمار ہوتا ہے چنانچہ کتاب میں لغات کی ترتیب اس طرح ہے:

ع - ح - ھ - خ - غ - ق - ک - ج - ش - ص - ض - س - ز - ط - د - ت - ظ - ذ - ث

[1] تحقیق ما للہند (ص ۱۰۱)۔

ز۔ ل۔ ن۔ ف۔ م۔ و۔ ا۔ ی۔

حروف کی مذکورہ بالا ترتیب خالص ہندی ہے جو یقینی طور پر اس نے وہیں سے لی ہے۔ چنانچہ سنسکرت میں لغات کی ابتدا حروفِ حلق سے ہوتی ہے اور ہونٹ سے نکلنے والے الفاظ پر ختم ہوجاتی ہے[1]۔

بہرحال عربی نے ہندی ادب اور لسانیات سے جو کچھ سرمایہ حاصل کیا ہے اس کو حسب ذیل تین عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) ہندی الفاظ، جن کو عربی بنایا گیا۔ یہ کام اس وقت ہوا جب ہندوستان سے عربوں کی تجارت ترقی پر تھی اور ہندوستان کی عطریات اور دوسری پیداوار وہ اپنے یہاں لاتے تھے۔ چنانچہ جو چیزیں وہ ہندوستان سے لاتے تھے ان کے نام بھی ساتھ ساتھ آئے۔ سیوطی نے ایسے ہندی الفاظ کی ایک فہرست دی ہے جن کو معرب کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں وہ آئے ہیں، مثلاً زنجبیل، کافور (کپور) وغیرہ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اصلاً ہندی ہیں اور عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے آبنوس، ببغاء، خیزران، فلفل، اہلیلج وغیرہ وغیرہ۔

اسی ضمن میں انشاء و بلاغت میں اہلِ ہند کے وہ اقوال بھی ہیں جو عربی کی کتبِ ادب و بلاغت میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ اس لئے کہ برامکہ کے زمانے میں ہندی اطباء (وید) اور دوسرے لوگ جو بغداد آتے تھے وہ اپنے ساتھ مختلف علوم اور موضوعات پر کچھ کتابیں اور پوتھیاں بھی لاتے تھے، ان میں انشاء و بلاغت پر بھی کتابیں ہوتی تھیں جیسا کہ جاحظ کی حسب ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے[2]۔

"معمر ابوالاشعث کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے بہلہ ہندی سے کہا: اہلِ ہند کے نزدیک بلاغت کیا ہے؟ بہلہ نے جواب دیا کہ اس موضوع پر میرے پاس ایک مستقل کتاب ہے لیکن اس کے مطالب کا میں تمھاری زبان میں ترجمہ نہیں کرسکتا۔ نہ میں نے اس فن کا غور

---

[1] جرجی زیدان: تاریخ التمدن الاسلامی (ص ۳ / ۸۸)، [2] جاحظ: البیان والتبیین (۱ / ۷۹)۔

سے مطالعہ کیا ہے کہ اس کا کچھ خلاصہ بیان کر سکوں۔ ابوالاشعث کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں یہ صحیفہ ایک مترجم کے پاس لے گیا تو اس میں لکھا تھا:

"اول البلاغة اجتماع آلة البلاغة وذالک ان یکون الخطیب رابط الجأش، ساکن الجوارح، قلیل اللحظ، متخیر اللفظ، لا یکلم سید الامة بکلام الامة ولا الملوک بکلام السوقة، ویکون فی قواہ فضل للتصرف فی کل طبقة، ولا یدقق المعانی کل التدقیق، ولا ینقح الالفاظ کل التنقیح، ولا یصفیها کل التصفیة ولا یهذبها غایة التهذیب ولا یفعل ذالک حتی یصادف حکیماً او فیلسوفاً عظیماً"

"بلاغت میں سب سے پہلی چیز آلۂ بلاغت کا اجتماع ہے اور وہ یہ ہے کہ خطیب مضبوط دل کا ہو، اس کے اعضاء جوارح ساکن ہوں۔ اِدھر اُدھر آنکھیں نہ مارتا ہو۔ لفظوں کے انتخاب کا اس کو سلیقہ ہو۔ سردار قوم سے اس طرح کلام نہ کرے جس طرح عام افراد قوم سے کلام کیا جاتا ہے نہ بادشاہوں سے بازاری لوگوں جیسا کلام کرے، اس کے اندر ہر طبقے کے لوگوں کو ہمنوا بنانے کا کمال ہو۔ معانی کی باریکی میں زیادہ نہ جائے، نہ الفاظ کی پوری پوری تنقیح اور تصفیہ کے درپے۔ نہ ان کو سنوارنے میں غیر معمولی اہتمام کرے، ایسا اسی وقت کرے جب اتفاقاً کسی حکیم یا بڑے فلسفی سے واسطہ پڑ جائے"

اس عبارت کو دیکھ کر عربوں کے کمال بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے، بایں معنی کہ ہندی میں جس معنی کو اتنی لمبی عبارت میں ادا کیا گیا ہے، عربوں نے اس کو ایک لفظ "مقتضی الحال" میں سمو دیا چنانچہ تنوخی نے جو ہند اور عرب کی بلاغت کا موازنہ کیا ہے۔ اس میں اس نے یہی فرق بیان کیا ہے کہ اہل ہند کی بلاغت میں اطناب ہے اور عرب کی بلاغت میں اختصار اور ایجاز۔ اس کی مثال میں اس نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی غیر ملکی نے ہندوستان کے کسی راجہ پر خروج کیا، راجہ بنفس نفیس اسکے مقابلہ کو نکلا، خارجی نے اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا اور بڑے اچھے طریقے سے حکومت

کی، جب حکومت کرتے اس کو ایک عرصہ گزر گیا اور حالات درست ہو گئے تو اپنی قلمرو کے کچھ حکما اور اہل دانش کو جمع کیا اور ان سے پوچھا: کیا تم میرے اندر کوئی عیب یا میری حکومت میں کوئی کمی دیکھتے ہو؟ انھوں نے متفق ہو کر جواب دیا: نہیں! سوائے ایک بات کے، اگر ہم کو امن دی جائے تو عرض کریں۔ بادشاہ نے کہا: تم کو امن ہے۔ اب انھوں نے کہا کہ ہم ہر چیز آپ کے لئے نئی دیکھتے ہیں (یہ تعریض تھی، اس بات پر تھی کہ وہ نسلاً بادشاہ نہیں تھا) اس نے کہا تو پھر مجھ سے قبل جو بادشاہ تھا، اس میں کیا بات تھی؟ کہا! وہ بادشاہ کا بیٹا تھا، کہا اس کا باپ کون تھا؟ کہا! بادشاہ کا بیٹا۔ اس نے پھر کہا کہ اس کا باپ، غرض کہ اسی طرح دس یا اس سے کچھ زیادہ مرتبہ اس نے یہی کہا اور وہ اس کے جواب میں یہی کہتے رہے کہ بادشاہ کا بیٹا۔ جب آخری تک بات پہونچی تو اب انھوں نے جواب دیا: وہ متغلب تھا۔ راجہ نے کہا میں وہی آخری ہوں۔ میری حکومت بھی اگر اسی طرح رہی تو میرے بعد میری اولاد وارث ہوگی۔[1]

یہ قصہ نقل کر کے تنوخی کہتا ہے: یہ وہ بات ہے جس کو عربوں نے دو کلموں میں کہہ دیا ہے، چنانچہ مشہور روایت ہے کہ دو عرب شخص آپس میں ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے۔ ایک نے اپنے مقابل سے کہا: نسبی منی ابتدأ و نسبک الیک انتھیٰ۔ (میرا نسب مجھ سے شروع ہوا ہے اور تیرا نسب تیرے اوپر ختم ہے)

۲۔ داستان و قصص

اسلام سے قبل تک عربوں میں ادب کی اس صنف کے آثار نہیں پائے جاتے، البتہ علم "وقائع العرب" کے نام سے ایک عنوان ضرور ملتا ہے جس کو آسانی کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ عربوں کا یہ فطری رجحان تھا۔ اور سینہ بہ سینہ وہ اپنے ملک اور خاندان کی روایات کو محفوظ کرتے تھے لیکن اس کو بھی کوئی علمی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس بنا پر یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ عربی ادب میں اس صنف کی بنیاد "کلیلہ و دمنہ" سے رکھی گئی ہے۔

کلیلہ و دمنہ | ہندوستان کے قدیم تہذیبی اور ثقافتی آثار میں کلیلہ و دمنہ ایک غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے لیکن

---

[1] نشوان المحاضرہ (ص ۱: ۷۵) بحوالہ ضحی الاسلام ۱/ ۲۴۷،

ہے اس علمی دور میں اس کی زیادہ اہمیت محسوس نہ کی جائے لیکن یہ کتاب جب پہلی مرتبہ سامنے آئی ہے اس وقت اس کی جو قدر کی گئی اس کا اندازہ دینوری کی حسب ذیل روایت سے پوری طرح لگایا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے[1]:

"جب خسرو نے اپنے باپ ہرمز کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا تو بہرام چوبین نے جو اس کے نامی سرداروں میں تھا۔ بغاوت کر دی اور اپنی فوج لے کر خسرو کے مقابلہ پر آگیا خسرو کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے مقربین میں سے ایک شخص کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ وہ ایک اجنبی کے طور پر بہرام کی لشکر گاہ میں جائے۔ اور اس کے طور طریق اور حقیقتِ امر کے بارے میں کچھ خبریں لے کر آئے۔ یہ شخص ہمدآن چلا گیا اور کچھ عرصہ بہرام کی لشکر گاہ میں رہا، اس کے بعد وہاں سے واپس آگیا۔ واپس آکر اس نے بہرام کے بارے میں جو باتیں سنائیں ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ بہرام جب کسی منزل پر پڑاؤ کرتا ہے تو کتاب "کلیلہ و دمنہ" منگاتا ہے اور تمام دن اس کے مطالعہ میں گذارتا ہے۔ خسرو نے جب یہ بات سنی تو کہا: اب تک میں بہرام سے اتنا ہراساں نہیں ہوا تھا جتنا آج ہوا ہوں کیونکہ میں نے یہ سنا ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ کلیلہ و دمنہ کو پڑھتا ہے، یہ کتاب ایسے آداب و حکم پر مشتمل ہے جس کو پڑھ کر انسان اپنی ذاتی رائے سے بہتر رائے اور اپنی حزم و احتیاط سے بہتر حزم و احتیاط اور دانش حاصل کر سکتا ہے۔"

دراصل کلیلہ و دمنہ کا یہی وہ افادی پہلو تھا جس کی وجہ سے بہت جلد اس کی اشاعت ہوگئی اور دنیا کے بڑے بڑے متمدن اور مہذب ممالک تحفے کے طور پر اس کو لے گئے۔ چنانچہ پہلوی میں ترجمہ ہونے کے بعد فوراً ہی سریانی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا، اس کے بعد اسلامی دور میں وہ عربی میں منتقل ہوئی۔ یہی کثرتِ اشاعت اس کے بارے میں اختلافات کا سبب بن گئی۔ اس لئے کہ جس زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، اس کے مترجم نے کتاب میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اپنے ملک کے عام مذاق اور اسلوبِ بیان کا لحاظ

[1] ابوحنیفہ دینوری: اخبار الطوال۔

رکھا، نتیجے میں اس کے مندرجات اصل سے بہت دور جا پڑے اور کچھ لوگوں نے اس کو دوسری قوموں کا سرمایہ سمجھ لیا۔ چنانچہ ابن ندیم اس کے بارے میں لکھتا ہے[1]:

فاما كتاب كليلة و دمنة فقد اختلف فى امره فقيل عملته الهند وخبر ذالك فى صدر الكتاب وقيل عملته ملوك الاسكانية ونحلته الهند وقيل عملته الفرس ونحلته الهند وقال قوم ان الذى عمله بزرجمهر الحكيم اجزاءً

لیکن کتاب کلیلہ و دمنہ، پس اس کے بارے میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ اہل ہند کی تصنیف ہے اور اس کا ذکر دیباچہ کتاب میں بھی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اسکانی بادشاہ اس کے مصنف ہیں اور اہل ہند نے اس کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ ایک قول کے مطابق وہ ایرانیوں کی تصنیف ہے اور ہندیوں نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حکیم بزرجمہر نے اجزا کی شکل میں اس کی تصنیف کی ہے۔

ابن خلکان کا بیان بھی ملاحظہ ہو:

و يقال ان ابن المقفع هو الذى وضع كتاب كليلة و دمنة وقيل انه لم يضعه وانما كان فارسيا فنقله الى العربية و ان الكلام الذى فى اول هذا الكتاب من كلامه۔

کہا جاتا ہے کہ ابن مقفع ہی وہ ہے جس نے کتاب کلیلہ و دمنہ تصنیف کی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے تصنیف نہیں کی ہے بلکہ یہ فارسی الاصل تھی اس نے اس کو عربی میں نقل کیا اگرچہ اول کتاب میں جو کلام (باب) ہے وہ خود اسی کی تصنیف ہے۔

غرضکہ اس قسم کے اور بھی اختلاف مختلف کتابوں میں ملتے ہیں، لیکن ارباب تحقیق نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ بلکہ شدت کے ساتھ ان روایات کی برابر تردید کی ہے۔ ان اختلافات کو پنپنے کا موقعہ اس لئے اور مل گیا کہ اس کی اصل سنسکرت جس کو برزویہ ہندوستان سے لایا تھا۔ آج کہیں موجود نہیں بلکہ اس کا پہلوی نسخہ بھی امتدادِ زمانہ کی نذر ہو گیا جو اس کے عربی ترجمے کی اصل تھا۔ اب قدیم

[1] الفہرست (ص ٤٢٣)

ترجموں میں صرف اس کا عربی اور سریانی ترجمہ ملتا ہے۔

بہرحال اس قدر مسلم ہے کہ عربی میں یہ کتاب اس کے پہلوی ترجمے کی وساطت سے آئی ہے، اس سلسلہ میں مشہور روایت یہ ہے کہ نوشیرواں کسریٰ کے زمانے میں یہ کتاب برزویہ کے سفر ہند کے نتیجے میں ہندوستان سے ایران میں آئی اور پہلوی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جب نقل علوم کا کام شروع ہوا تو اسی پہلوی ترجمے سے عبداللہ بن مقفع نے اس کو عربی کا جامہ پہنایا یہی مطلب مقدمۂ کتاب سے نکلتا ہے۔

کلیلہ ودمنہ پر ایک تحقیقی نظر کلیلہ ودمنہ ایک ایسی کتاب ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں گئی اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی زبان میں مختلف زمانوں میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے اور ہر مترجم نے اپنے مذاق کے مطابق کچھ نہ کچھ حک واضافہ کو اپنا جائز حق سمجھا اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تحقیقی نظر ڈالنے سے پہلے اس کے مختلف تراجم کا تعارف کرا دیا جائے۔

(۱) ترجمہ پہلوی۔ کلیلہ ودمنہ کا یہ سب سے پہلا ترجمہ ہے جس کی اصل وہ سنسکرت نسخہ ہے جو برزویہ اپنے ساتھ ہندوستان سے لایا تھا اور اب یہ اصل اور پہلوی ترجمہ دونوں مفقود ہیں۔

(۲) ترجمہ سریانی قدیم۔ یہ ترجمہ اسلام سے قبل ۵۷۰ء میں ہوا تھا جس کی اصل بھی مذکورہ بالا پہلوی ترجمہ ہے اس کے بارے میں علامہ احمد امین لکھتے ہیں: یہ نسخہ میں نے دیر ماردین میں دیکھا ہے۔ اور ۱۸۷۶ء میں شائع ہو چکا ہے

(۳) ترجمہ عربی۔ یہ ترجمہ اسلامی دور میں ابوجعفر منصور کے کاتب عبداللہ بن مقفع متوفی ۱۴۲ھ نے کیا تھا۔ یہی ترجمہ دراصل ان تمام ترجموں کی اصل ہے جو اس کے بعد دنیا کی مختلف زبانوں میں کئے گئے۔ اس کے بارے میں شمس العلما، سید علی بلگرامی نے اپنے لکچر[۱] میں کہا ہے اور بڑے دلچسپ انداز میں کہا ہے:

"سریانی اور ترجمہ عربی دونوں بھائی بھائی ہیں، یعنی دونوں کی ماں پہلوی ہے۔ لیکن اس قدر فرق ہے کہ سریانی بھائی بالکل لاولد اور گمنام رہا۔ برخلاف اس کے عربی بھائی کی

[۱] لکچر ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ منعقدہ دسمبر ۱۸۹۱ء

کثرت سے اولاد ہوئی اور اس کے بیٹے، پوتے اور پڑپوتے اس وقت تک نام آور ہیں اور تمام یورپ اور بہت بڑے حصہ ایشیا اور ان کل اقطاعِ عالم پر جہاں ان ملکوں کی زبانیں گئیں، قابض ہیں۔"

(۴) ترجمہ عبداللہ بن علی الاہوازی۔ کلیلہ و دمنہ کا یہ دوسرا عربی ترجمہ ہے جو یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے بنی عباس کے مشہور خلیفہ مہدی کے زمانہ خلافت میں ۱۶۵ھ میں کیا گیا[۱]۔ اس کی اصل بھی مذکورہ بالا پہلوی ترجمہ ہے۔

(۵) ترجمہ سہل بن نوبخت۔ کلیلہ و دمنہ کا یہ منظوم ترجمہ ہے جو یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے ہوا تھا اور یحییٰ نے اس پر ایک ہزار دینار صلے کے طور پر دیئے تھے[۲]۔

(۶) ترجمہ ابان۔ اس کے مترجم کا پورا نام ابان بن عبدالحمید بن لاحق بن عفیر رقاشی ہے جو برامکہ کے منوسلین میں تھا۔ کلیلہ و دمنہ کے علاوہ اور کتابیں بھی اس نے نظم کی ہیں۔ اس کا انتقال ۲۰۰ھ ۸۱۵ء میں ہوا ہے[۳]۔

(۷) ترجمہ علی ابن داؤد، کاتب زبیدہ بنت جعفر (ندیم ۱۸۰)۔ ابن ندیم نے کلیلہ و دمنہ کو نظم کرنے والوں میں ابان بن عبدالحمید کے ساتھ اس کا نام بھی لیا ہے[۴]۔ مگر اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوسکا۔ آخر الذکر دونوں ترجموں کا ذکر ابوالفرج اصفہانی نے بھی کیا ہے[۵] بلکہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ دونوں ترجمے چودہ ہزار بیت پر مشتمل تھے۔ اور نہایت آسان زبان میں تھے۔ یہ نظمیں برامکہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو حفظ کرائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد نمونے کے طور پر یہ دو اشعار بھی دیئے ہیں:

هذا كتاب ادب ومحنة   وهو الذى يدعى كليلة ودمنة
فيه احتيالات وفيه رشد   وهو كتاب وضعته الهند

(۸) ترجمہ بشر بن معتمر۔ یہ بھی کلیلہ و دمنہ کے بعض حصوں کا ترجمہ ہے۔ ابن ندیم نے علی بن داؤد کے

---

[۱] کشف الظنون (۲/۱۵۰۶)، [۲] ایضاً [۳] ابن ندیم: (ص ۱۸۰، ۴۳۸)، قاموس الاعلام (۱/۲) [۴] فہرست (ص ۴۳۸) [۵] الاغانی (۲/۷۳)

کے ساتھ یہ نام بھی لیا ہے[۱]۔

(۹) ترجمہ ابن الہباریہ۔ محمد بن صالح بن حمزہ بغدادی متوفی ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء۔ اس نے اپنی کتاب نتائج الفطنہ میں کلیلہ و دمنہ کو نظم کیا تھا۔ اس نے اپنے ترجمہ میں یہ بھی کہا ہے کہ اس کا یہ ترجمہ ابان کے ترجمے سے بہتر ہے۔ ابن الہباریہ کی یہ نظم ہندوستان اور بیروت میں چھپ گئی ہے[۲]۔

(۱۰) ترجمہ قاضی اسعد بن مماتی المصری متوفی ۶۰۶ھ۔ ابن خلکان کے بیان کے مطابق یہ ترجمہ صلاح الدین ایوبی کے لئے کیا گیا تھا۔

(۱۱) ترجمہ رودکی فارسی کا سب سے پہلا منظوم ترجمہ ہے جو سامانی دور کے مشہور شاعر رودکی متوفی ۳۲۹ھ نے کیا، جس کے صلے میں اس کو چالیس ہزار درہم دیئے گئے تھے[۳]۔

(۱۲) ترجمہ نصر بن محمد۔ اس کا مترجم نصر بن محمد بن عبدالحمید متوفی ۵۱۲ھ ہے جس نے بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کے حکم سے کیا تھا۔ اس کی اصل بھی یہی عبداللہ بن مقفع کا عربی ترجمہ ہے۔ یہی ترجمہ اس وقت کلیلہ و دمنہ فارسی کے نام سے مشہور ہے۔

ترجمہ کاشفی: نصر بن محمد کے ترجمے میں چونکہ مغلق الفاظ کثرت سے تھے اس لئے نویں صدی ہجری میں حسین بن علی الواعظ الکاشفی متوفی ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء نے اس کی تلخیص کی اور مغلق الفاظ سے اس کو پاک کیا۔ یہ ترجمہ اس نے امیر سہیلی جو سلطان حسین بیقرا کے امراء میں سے تھا، اس کے لئے کیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام انوار سہیلی ہے۔

ترجمہ عبدالواسع عیسی متوفی ۹۵۰ھ کلیلہ و دمنہ کا یہ ترکی ترجمہ ہے جو ہمایوں نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی اصل یہی انوار سہیلی ہے۔

ان ترجموں کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ہیں مگر وہ ہماری بحث سے خارج ہیں اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

---

[۱] فہرست ابن ندیم (ص ۴۳۸) [۲] ضحی الاسلام (۱ / ۲۲) معجم المولفین (۱۰ / ...) کشف الظنون (۲ / ۱۵۵۸)

کلیلہ و دمنہ کے سنسکرت ماخذ | کلیلہ و دمنہ پر اب تک جو تحقیق ہوئی ہے، اس کے نتیجہ میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ یہ کتاب ہندی الاصل ہے۔ اور اگرچہ اس کی اصل سنسکرت نسخہ آج مفقود ہے لیکن ہندی کی دوسری کتابوں میں متفرق طور پر اس کے متفرق ابواب پائے گئے ہیں۔ اس طرح یہ سب مل کر کلیلہ و دمنہ کا ماخذ قرار پاتے ہیں۔ ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- پنچ تنتر:- یہ سنسکرت لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں، پانچ باب۔ یہ کتاب اصلاً تیرہ ابواب پر مشتمل تھی جس کے نام کا ترجمہ مرأۃ الملوک تھا اور اس کی تصنیف کا مقصد راجاؤں کو اصولِ حکمت کی تعلیم دینا تھی۔ امتدادِ زمانہ سے اصل کتاب کے آٹھ باب تلف ہوگئے اور صرف پانچ باب باقی رہ گئے جن کا نام بعد میں "پنچ تنتر" رکھا گیا۔ پنچ تنتر کا ذکر ابوریحان بیرونی نے بھی کیا ہے۔ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلیلہ و دمنہ خاص اسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، یہ شبہ غالباً اس بنیاد پر ہوا کہ پنچ تنتر کا پانچواں باب کلیلہ و دمنہ کے ابتدائی پانچ باب سے کم و بیش مطابقت رکھتے ہیں، ورنہ حکیم برزویہ جو کتاب ہندوستان سے لایا تھا اور جس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا وہ مکمل تھی۔ اس پنچ تنتر کا ایک نسخہ ڈاکٹر ہرٹل (JOHANNES HERTEL) نے دریافت کیا ہے اور مستشرقین نے اس پر بحثیں کی ہیں، نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوکر شائع ہوگئے ہیں۔ ہرٹل کی رائے میں اس کا مولف ایک ہندی حکیم برہمن وشنو ہے جس نے ۳۰۰ مسیحی میں اس کی تالیف کی۔

۲- ہتوپدیش: اس کے معنیٰ ہیں دوست کی نصیحت۔ سنسکرت زبان میں یہ ایک قصوں کی کتاب ہے جو یورپ سے شائع ہوگئی ہے اور انگریزی میں تین مرتبہ اس کا ترجمہ ہوا ہے۔

۳- مہابھارت: سنسکرت کی مشہور رزمیہ کتاب ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔

۴- ہردچپہ: یہ بھی سنسکرت زبان میں ایک قصوں کی کتاب ہے۔

ابوابِ کتاب کی تعیین | ابن ندیم نے کلیلہ و دمنہ کے ذکر میں کہا ہے کہ یہ کتاب سترہ ابواب میں ہے اور ایک

توں کے مطابق اس کے اٹھارہ باب ہیں۔ ابواب کی یہ ایک عام تعداد ہے جو قریب قریب اس کے ہر نسخے میں ملتی ہے لیکن اب تک اس کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں اور مختلف کتاب خانوں میں اس کے جس قدر مخطوطے ملتے ہیں ان سب کو ملا کر اگر دیکھا جائے تو اس کے کل ابواب کی تعداد ۲۱ ہوتی ہے۔

ان ابواب کو حسب ذیل طریقے پر تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱۔ مقدمات : اس عنوان میں کلیلہ و دمنہ کے حسب ذیل چار ابواب شامل ہیں۔

مقدمہ علی بن شاہ فارسی ۔ عرض الکتاب لعبد اللہ بن مقفع ۔ بعثت برزویہ ۔ باب برزویہ الطبیب

۲۔ ابتدائی پانچ باب : باستثنائے باب الفحص عن امر دمنہ ۔ باب الاسد و الثور ۔ باب الحمامۃ المطوقۃ ۔ باب البوم و الغربان ۔ باب القرد و الغیلم ۔ باب الناسک و ابن عرس ۔ اسی قسم میں باب الفحص عن امر دمنہ جو باب الاسد و الثور کے بعد آتا ہے اور باب السائح و الصواغ کو جس کا قصہ پنچ تنتر کے باب اول کے درمیان میں ملتا ہے، شامل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ درمیانی تین باب ہیں جو مذکورہ بالا پانچ ابواب کے بعد آتے ہیں۔

الجرذ و السنور ۔ الملک و الطائر ۔ الاسد و ابن آدی ۔

۴۔ دوسرے ابواب : یہ دو طرح کے ہیں :۔

(الف) وہ ابواب جو کتاب کے تمام نسخوں میں متفقہ طور پر ملتے ہیں :

ایلاد و ایراخت و شادرم ملک الهند ، اللبوۃ و الاسوار ، الناسک و الضیف ، ابن الملک و اصحابہ ۔

(ب) وہ ابواب جو صرف بعض نسخوں میں ملتے ہیں :

ملک الجرذان ، مالک الحزین البطہ ، الحمامۃ و الثعلب و مالک الحزین ۔

مقدمات

۱۔ مقدمہ علی بن شاہ فارسی : اس باب کے بارے میں قطعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبد اللہ بن مقفع کے دو سو سال بعد عربی کے کسی نسخے میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ عربی کے بیشتر قدیم نسخے

اس مقدمے سے خالی ہیں ۔ نیز ان ترجموں میں بھی یہ باب نہیں ملتا جس کی اصل عبداللہ بن المقفع کا عربی ترجمہ ہے ۔ نولدکہ (NOLDEKE) کی تحقیق کے مطابق اس مقدمہ کا کاتب علی بن محمد بن شاہ طاہری متوفی ۳۰۲ ھ ہے ۔

اس کے بعد اس قسم میں تین باب : عرض الکتاب لابن المقفع ، بعثۃ برزویہ ، باب برزویہ الطبیب باقی رہ جاتے ہیں ۔ ان ابواب کی اگرچہ طبعی ترتیب یہی ہے لیکن بعض نسخوں میں باب عرض الکتاب ، باب بعثت برزویہ اور باب برزویہ الطبیب کے درمیان میں ہے ۔ بعض عربی نسخوں اور نصر اللہ فارسی کے فارسی ترجمے میں فہرست ابواب ، باب عرض الکتاب لابن المقفع سے قبل ، باب بعثت برزویہ کے آخر میں ہے ۔

اس سے یہ امر تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عربی نسخوں میں اگرچہ بعثت برزویہ اور باب عرض الکتاب کے درمیان ترتیب میں فرق ہے ۔ لیکن یہ سب اس پر متفق ہیں کہ باب عرض الکتاب ابن المقفع کی تصنیف ہے ۔ سوائے فارسی ترجمے کے اس میں اس کی نسبت بزرجمہر بختگاں کی طرف دی گئی ہے ۔ اب صرف باب بعثت برزویہ کا سوال باقی رہ جاتا ہے ۔ اس کی نسبت بعض عربی نسخوں میں بزرجمہر کی طرف دی گئی ہے ۔ بعض نسخوں میں کاتب کا نام ہی نہیں دیا گیا ۔ فارسی نسخے میں اس کی نسبت عبداللہ بن المقفع کی طرف ہے ۔ چنانچہ اس میں باب اول : باب بعثت برزویہ کو ابن مقفع کی تصنیف بتایا گیا ہے اور آخری دو بابوں کو بزرجمہر کی ۔

بہر حال تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ باب برزویہ الطبیب ایرانیوں کا اضافہ ہے جو انھوں نے اس کے پہلوی ترجمے کے وقت کیا ہے ۔ اور باب عرض الکتاب ابن مقفع کی تصنیف ہے جو اس نے عربی ترجمہ کے وقت ، بڑھایا ۔ اب صرف باب بعثت برزویہ کا سوال باقی رہتا ہے کہ اس کا مصنف کون ہے ۔ ؟ آیا یہ باب برزویہ الطبیب ، کا مقدمہ ہے جس کو بزرجمہر نے لکھا یا ابن المقفع کی تصنیف ہے یا ابن مقفع کے بعد کتاب میں اس کو بڑھایا گیا ہے ۔ اس بارے میں قوی رجحان یہ ہے کہ یہ باب ان ابواب میں ہے جن کو عربی نسخے میں بڑھایا گیا ہے ۔ اس لئے کہ سریانی کے قدیم اور جدید دونوں

ترجمے اس سے خالی ہیں۔ ان میں پہلے کی اصل پہلوی نسخہ ہے اور دوسرے کی اصل عربی نسخہ، اس کے علاوہ ابن الہباریہ متوفی ۵۰۴ھ۔ ۱۱۱۰ء کے منظوم ترجمے میں بھی یہ باب موجود نہیں ہے، اس کے صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ عربی کے قدیم نسخوں میں یہ باب نہیں تھا اور اسی وجہ سے جدید سریانی ترجمہ جو عربی ترجمہ سے ماخوذ ہے اس سے خالی ہے۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ پہلوی نسخہ میں بھی یہ باب موجود نہ تھا۔

۲۔ ابتدائی پانچ باب: یہ پانچ باب کتاب کے تمام نسخوں میں باب بعثت برزویہ کے بعد اسی ترتیب کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ ان کا ماخذ سنسکرت کی مشہور کتاب پنچ تنتر ہے۔ البتہ باب الفحص عن امر دمنہ کا کسی ہندی ماخذ میں پتہ نہیں چل سکا۔ اور چونکہ سریانی کے قدیم نسخے میں بھی یہ باب نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اضافہ بھی عبد اللہ بن المقفع ہی نے کیا ہے جس کی تائید خود اس کے مندرجات سے بھی ہوتی ہے۔

باب السائح والصواغ: یہ باب پنچ تنتر کے پہلے باب الاسد والثور میں وارد ہوا ہے۔

۳۔ درمیانی تین باب: ابواب الجرذ والسنور، الملک والطائر، الاسد وابن آوی۔

یہ تینوں قصے سنسکرت کی مشہور رزمیہ کتاب مہابھارت میں پائے گئے ہیں۔ ان میں باب الملک والطائر" مہابھارت کے علاوہ سنسکرت کی ایک دوسری کتاب "ہرونچہ" میں بھی وارد ہوا ہے۔

یہ باب کتاب کے ہر نسخے میں ایک دوسرے سے متصل ایک ہی ترتیب کے ساتھ اسی طرح ملتے ہیں جس طرح پنچ تنتر والے پانچ باب۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض نسخوں میں تو یہ پنچ تنتر والے پانچ باب سے بالکل متصل شروع ہوتے ہیں۔ بعض میں ان دونوں کے درمیان دوسرے ابواب آ گئے ہیں، چنانچہ نسخہ مکتبہ ایا صوفیا استنبول میں دو باب: باب ایلاذ و ایراخت وشادرم ملک الہند، و باب ملک الجرذان اور نسخہ شیخو میں ایک باب: باب ایلاذ وشادرم و ایراخت، ان دونوں کے درمیان میں وارد ہوا ہے۔

غرض کہ یہ تین باب اور پہلے پانچ باب ان دس ابواب میں شامل ہیں جن کو نصر اللہ بن عبد الحمید نے ہندی الاصل کہا ہے، اب ان میں کے دو باب رہ جاتے ہیں، باب الفحص عن امر دمنہ اور باب "الاسوار والبومۃ"

(باقی)